Open Access
Al-Marjān Research Journal
ISSN(E): 3006-0370
ISSN(P): 3006-0362
al-marjan.com.pk

Principles of Religious Prioritization and Their Application: A Research and Analytical Study

ترجیحات دین کے اصول اور ان کی تطبیق: تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

Authors Details

1. Muhammad Rouf Ul Hassan (Corresponding Author)
M.Phil. Scholar, Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Pakistan
rauf.ul.hassan1122@gmail.com

2. Iqra Masood
M.Phil. Scholar, Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Pakistan.

3. Muhammad Akram Sani
Subject Specialist (Islamic Studies), Pakistan.

Citation

Rouf Ul Hassan,Muhammad and Iqra Masood and Muhammad Akram Sani"Principles of Religious Prioritization and Their Application: A Research and Analytical Study."Al-Marjān Research Journal, 3, no.1, Jan-Mar (2025):136− 156.

Submission Timeline

Received: Dec 04, 2024
Revised: Dec 18, 2024
Accepted: Dec 28, 2024
Published Online: Jan 08, 2025

Article QR

Publication, Copyright & Licensing

Al-Marjān Research Center, Lahore, Pakistan.

All Rights Reserved © 2023.

This article is open access and is distributed under the terms of Creative Commons Attribution 4.0 International License

Principles of Religious Prioritization and Their Application: A Research and Analytical Study

ترجیحات دین کے اصول اور ان کی تطبیق: تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

☆ محمد رؤف الحسن ☆ اقرا مسعود ☆ محمد اکرم ثانی

Abstract

One of the significant issues we face is the problem of prioritization. This refers to placing the commands of Shariah, national values, and actions in their proper position with complete balance. Unfortunately, in some matters, we suffer from excessiveness, while in others, we fall into negligence. This imbalance has led us to decline and stagnation. Due to ignorance, we often engage in actions that are not among the objectives of the religion or disregard those deeds that the faith strongly demands of us. It is essential not to prioritize the less significant over the significant or the significant over the most significant. Similarly, the less preferred should not be placed above the preferred, nor the inferior above the superior. In this regard, the commands and principles in the Qur'an and Sunnah will be discussed following a research-based methodology. This aims to ensure that, as per the Qur'anic term Qistas Mustaqeem (the just balance), everything is placed in its rightful position. The research will follow an explanatory approach.

Keywords: Prioritization, Objectives of Religion, Objectives of Shariah, Principles of Religion, Principles of Prioritization

تعارف موضوع

دین اسلام کی تعلیمات میں احکام شریعت، اخلاقی اقدار اور انسانی اعمال کو ان کے صحیح مقام پر رکھنے کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ یہ نظام ترجیحات اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ دین اور دنیا کے معاملات اعتدال اور توازن کے ساتھ انجام دیے جائیں۔ عصر حاضر میں امت مسلمہ کو جن چیلنجز کا سامنا ہے، ان میں سے ایک اہم چیلنج ترجیحات کا فقدان ہے۔ مختلف معاملات میں افراط و تفریط کی وجہ سے امت زوال اور جمود کا شکار ہو رہی ہے۔ بعض امور میں غیر ضروری شدت پسندی اختیار کی جاتی ہے جبکہ دیگر اہم امور کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اس عدم توازن کی وجہ سے ہم دینی اور دنیوی مقاصد کو حاصل کرنے میں ناکام ہو رہے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے ہمیشہ یہ کوشش کی کہ وہ اپنی زندگی کے اعمال میں افضل و مفضول اور اعلیٰ و ادنیٰ کے فرق کو پہچانیں تاکہ وہ اللہ کی رضا اور قرب حاصل کر سکیں۔ شریعت میں ترجیحات کے اصول قرآن و سنت کی روشنی میں موجود ہیں، جن کی بنیاد پر ہر چیز کو اس کے مناسب مقام پر رکھا جاسکتا ہے۔ اس تحقیق میں انہی اصولوں کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جائے گا تاکہ دینی معاملات میں درست رہنمائی فراہم کی جاسکے۔

☆ ایم فل اسکالر، انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، یونیورسٹی آف دی پنجاب، پاکستان۔
☆ ایم فل اسکالر، انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، یونیورسٹی آف دی پنجاب، پاکستان۔
☆ سبجیکٹ اسپیشلسٹ (اسلامیات)، پاکستان۔

مبحث اول: عصر حاضر میں اُمت کو ترجیحات کی ضرورت

ہمارے مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ ترجیحات کا ہے۔ اس سے مراد احکام شریعت، قومی اقدار اور اعمال میں سے ہر چیز کو پورے اعتدال کے ساتھ اپنے مقام پر رکھا جائے۔ ان میں سے جو پہلے ہو اسے پہلے درجے پر رکھا جائے اور جو بعد میں ہو اسے بعد میں رکھا جائے۔ اس ترتیب کا معیار اور اس کی بنیاد شریعت ہو، جن میں سے بعض کا ادراک نور وحی سے ہوتا ہے اور بعض کا نور عقل سے: نور عَلَی نُورٍ۔ غیر اہم کو اہم پر مقدم نہ کیا جائے اور اہم کو اہم تر پر۔ اسی طرح مرجوح کو راجح سے پہلے نہ رکھا جائے اور مفضول کو فاضل یا افضل پر ترجیح نہ دی جائے۔ صحابہ کرامؓ بھی اس بات کے بہت زیادہ شوقین رہتے تھے کہ وہ اعمال میں اعلیٰ اور ادنی کو پہچانیں، تاکہ وہ اس سے تقرب الی اللہ حاصل کریں۔ یہی وجہ ہے کہ ان سے کئی مواقع پر یہ بات روایت کی گئی ہے کہ وہ اللہ کے ہاں افضل الاعمال اور احب الاعمال کے بارے میں سوال کرتے تھے۔ ترجیحات کے مسئلے میں یہ خرابی صرف عوام میں یا بے دین طبقے میں نہیں آئی بلکہ خود دین دار طبقہ بھی طرح طرح کی بے اعتدالیوں کا شکار ہے کیوں کہ ان میں بھی معاملات کے درست فہم اور دین کے صحیح علم کی کمی پائی جاتی ہے۔ صحیح علم تو وہی ہوتا ہے جو آدمی کے سامنے راجح اور مرجوح کو واضح کردے، فاضل اور مفضول کے درمیان فرق کو نمایاں کردے اور اس کے ذریعے معلوم ہو سکے کہ صحیح کیا ہے اور فاسد کیا، مقبول کیا ہے اور مردود کیا۔ وہ اسے بتا سکے کہ کون سی چیز سنت ہے اور کون سی بدعت۔ اسی طرح وہ شریعت کے مطابق ہر چیز کی اصل قدر و قیمت کی پہچان کرائے۔

مبحث دوم: مصالح و مفاسد کی ترجیحات اور موازنات

1. مصالح کا موازنہ

پہلی قسم یعنی مصالح میں ہم دیکھتے ہیں کہ شریعت کے متعین کردہ مصالح رتبے کے لحاظ سے سب ایک جیسے نہیں ہیں بلکہ وہ جس طرح کہ علمائے اصول نے ان کی وضاحت کی ہے تین بنیادی مراتب پر مشتمل ہیں: ضروریات، حاجیات اور تحسینیات۔ ضروریات وہ ہوتی ہیں جن کے بغیر زندگی نہیں گزرتی۔ حاجیات وہ ہوتی ہیں جن کے بغیر زندگی گزر تو سکتی ہے مگر مشقت اور حرج کے ساتھ۔ اور تحسینیات وہ ہیں جو زندگی کو حسین و جمیل بناتے ہیں ان کو عرف میں تکمیلی امور بھی کہتے ہیں۔ موازنات کا مسئلہ اور اس کے ساتھ ہی ترجیحات کا مسئلہ بھی ہم سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ ضروریات کو حاجات پر اور اس سے بھی زیادہ اہمیت کے ساتھ تحسینیات پر مقدم کریں اور حاجیات کو تحسینیات اور تکمیلی امور پر مقدم کریں۔ اسی طرح ضروریات خود آپس میں بھی مختلف اور متفاوت ہیں جیسا کہ علماء نے بیان کیا ہے وہ پانچ ہیں: دین، جان، نسل، عقل اور مال۔ اور بعض علمانے ان کے ساتھ ایک چھٹی چیز بھی شامل کی ہے اور وہ ہے: عزت۔[1] ان میں سے دین سب سے پہلے اور اہم ہے وہ باقی ضروریات پر مقدم ہے۔ یہاں تک کہ جان پر بھی اور جان پھر باقی ضروریات پر مقدم ہے۔ مصالح کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے درج ذیل باتوں کا خیال رکھا جائے گا: یقینی مصلحت کو ظنی اور وہمی مصلحت پر، بڑی مصلحت کو چھوٹی مصلحت پر، جماعتی مصلحت کو انفرادی مصلحت پر اور اکثریت کی مصلحت کو اقلیت کی مصلحت پر مقدم کیا جائے گا۔ اسی طرح دائمی مصلحت کو عارضی یا ختم ہونے والی مصلحت پر، اصل اور بنیادی مصلحت کو ظاہری اور جانبی مصلحت پر اور مستقبل کی قوی مصلحت کو حال کی کمزور مصلحت پر مقدم کیا جائے گا۔

---

1 Gulzada Sherpao, *Deen Mein Tarjihat* (Lahore: Manshurat, 2002), p. 50

2. مفاسد اور مضرتوں کا موازنہ

دوسری قسم یعنی مفاسد اور مضرتوں میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بھی مصالح کی طرح باہم مختلف اور متفاوت ہیں۔ وہ مفسدہ جو کسی ضروری چیز کی تعطیل کا ذریعہ بنے، اس ضرر سے مختلف ہے جو کسی حاجت والے حکم کو معطل کر دے، اور وہ اس مفسدہ سے مختلف ہے جو کسی تحسینی چیز میں رکاوٹ ہے۔ وہ مفسدہ جو مال کے لیے مضر بنے، اس مفسدہ سے کم درجے میں ہے جو جان کے لیے مضر ہو، اور یہ اس مفسدہ سے کم ہے جو دین اور عقیدے کو نقصان پہنچائے۔ پھر مفاسد اور مضرتیں اپنے حجم، اثرات اور خطرات کے لحاظ سے بھی آپس میں مختلف اور متفاوت ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فقہانے بعض قواعد وضع کیے ہیں جو دین کے اہم ترین احکام کو منضبط کرتے ہیں۔ ان میں سے چند قواعد درج ذیل ہیں: نقصان پہنچانے میں پہل کرنا اور ضرر کا جواب ضرر سے دینا دونوں ممنوع ہیں، ضرر کو ممکن حد تک زائل کیا جائے، ضرر کو اس کے برابر یا اس سے بڑے ضرر سے زائل نہ کیا جائے، دو ضرروں یا دو شرین میں سے جو زیادہ خفیف ہو گا اس کا ارتکاب کیا جا سکتا ہے، بڑے نقصان سے بچنے کے لیے چھوٹے نقصان کو برداشت کیا جائے اور عام ضرر سے بچنے کے لیے خاص ضرر کو برداشت کیا جائے۔[2]

3. مصالح و مفاسد میں تعارض

اگر کسی معاملے میں مصالح اور مفاسد یا منفعت اور مضرت دونوں جمع ہوں، تو ان کے درمیان موازنہ کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ اس میں غالب اور اکثر کا اعتبار کیا جائے گا کیوں کہ اکثر کل کے حکم میں ہوتا ہے۔ اگر کسی معاملے میں مفاسد اور مضرتیں مصالح اور منافع پر غالب ہوں تو اس کام کو روکنا ضروری ہو گا۔ کیوں کہ اس میں فساد کا غلبہ ہے۔ یہاں اُس منفعت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جو اس میں موجود ہے۔ یہی بات قرآن نے شراب کے مسئلے میں اس وقت بیان فرمائی تھی جب پوچھنے والوں نے اس کے بارے میں پوچھا تھا

يَسْتَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا:[3]

ترجمہ: پوچھتے ہیں شراب اور جوے کا کیا حکم ہے؟ کہو: ان دونوں چیزوں میں بڑی برائی ہے۔ اگرچہ ان میں لوگوں کے لیے کچھ منافع بھی ہیں، مگر ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔

اس کے برعکس جب منفعت بڑی اور غالب ہو تو اس کام کی اجازت دی جائے گی اور اسے مشروع سمجھا جائے گا۔ اس میں جو چھوٹی مفسدہ موجود ہے اس کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں جو اہم ترین قواعد ہیں وہ درج ذیل ہیں: خرابی کو دفع کرنا مصلحت کے حصول پر مقدم ہے۔ اس قاعدے کی تکمیل ایک اور قاعدے سے ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ چھوٹی خرابی کو بڑی مصلحت کی خاطر نظر انداز کیا جائے گا اور عارضی خرابی کو دائمی مصلحت کی خاطر نظر انداز کیا جائے گا۔ اور اسی طرح یقینی مصلحت کو موہوم خرابی کی وجہ سے نہیں چھوڑا جائے گا۔[4]

4. مصالح اور مفاسد کی پہچان

دنیا اور آخرت کے مصالح و مفاسد، ان کے شرعی اسباب جانے بغیر معلوم نہیں ہو سکتے۔ ان میں سے کوئی چیز مخفی ہو جائے تو اسے شریعت ہی سے معلوم کیا جائے گا، اور شریعت نام ہے کتاب و سنت، اجماع، قیاس معتبرہ اور استدلال صحیح کا رہے دنیا کے مصالح، اس کے اسباب اور اس کے

---

[2] Gulzada Sherpao, *Deen Mein Tarjihat*, p. 52.
[3] Al-Baqarah, 2:219.
[4] Gulzada Sherpao, *Deen Mein Tarjihat*, p. 53

مفاسد تو وہ ضروریات، تجربات، عادیات اور معتبر گمان سے معلوم ہوتے ہیں اگر ان میں سے کوئی مخفی ہو جاتی ہے تو وہ اپنے مذکورہ دلائل سے معلوم ہو سکے گی۔

مبحث سوم: شریعت میں مقدار اور معیار کی اہمیت

1. **مقدار اور معیار**

شرعی طور پر کیفیت اور نوعیت کو کمیت اور حجم پر مقدم کیا جائے۔ شریعت میں عددی اکثریت یا حجم میں بڑے ہونے کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ اصل دارومدار چیز کی نوعیت اور کیفیت پر ہوتا ہے۔

قرآن کریم نے اُس اکثریت کی مذمت کی ہے جس کے افراد نہ عقل رکھتے ہوں اور نہ علم، یا یہ کہ وہ ایمان نہ لاتے ہوں اور نہ شکر کرتے ہوں۔

بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ[5]،وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ[6]،وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ[7]،وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ[8]

بہت سے لوگ یہ حدیث تو بیان کرتے ہیں: نکاح کرو اور نسل کو آگے بڑھاؤ اور اپنی تعداد میں اضافہ کرو میں تمہارے ذریعے سے کثیر الامم بننا چاہتا ہوں،[9] لیکن یہ نہیں سوچتے کہ رسول کریم ﷺ جاہل، فاسق اور ظالم لوگوں پر تو فخر نہیں کرتے بلکہ آپ ﷺ نیک، پاک، باعمل اور نفع بخش لوگوں پر فخر کریں گے۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں: النَّاسُ كَإِبِلٍ مِئَةٍ لَا تَجِدُ فِيهَا رَاحِلَةً بعض انسانوں کی مثال ان سو اونٹوں کی طرح ہوتی ہے جن میں ایک بھی سواری کے لائق نہ ہو۔[10]

2. **معیار کی اہمیت**

سیرت رسول کے ﷺ مطالعہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی توجہ کمیت کی طرف نہیں ہوتی تھی بلکہ کیفیت پر ہوتی تھی سیرت نبوی اور سیرت خلفائے راشدین سے بھی یہی بات پوری وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتی ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو فتح مصر کے لیے بھیجا تھا۔ ان کے ساتھ صرف چار ہزار کی فوج تھی پھر انھوں نے کمک مانگی تو مزید چار ہزار فوج بھیجی۔ اس کمک کے ساتھ چار مخصوص افراد تھے جن کے بارے میں حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ ان میں ہر فرد ایک ہزار کے برابر ہے۔[11] اس طرح مجموعی فوج کو بارہ ہزار سمجھو اور بارہ ہزار افراد کو اس سے کم افراد سے شکست نہیں کھانا چاہیے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ اصل اعتبار لوگوں کی کیفیت، ان کی قدر و قیمت اور ان کی صلاحیتوں کا ہوتا ہے، نہ کہ ان کی تعداد اور حجم کا۔

ہمارے دور میں پوری دنیا میں مسلمانوں کی تعداد سوا ارب سے تجاوز کر گئی ہے مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ ان کی حالت اسی طرح ہے جس طرح کہ حدیث میں ان کی حالت بیان کی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عنقریب قومیں ہر طرف سے تم پر اس طرح ٹوٹ پڑیں گی جس طرح کہ کھانے والے دستر خوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ کسی نے کہا۔ یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس وقت ہم تھوڑے ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا

---

5 Al-Ankabut, 29:63
6 Al-A'raf, 7:187.
7 Hud, 11:17
8 Al-Baqarah, 2:243.
9 Ibn Mājah. *Sunan Ibn Mājah* (Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmīya, n.d.), ḥadīth: 1863.
10 Ibn Mājah, *Sunan Ibn Mājah*, ḥadīth: 3990.
11 Muttaqī Hindī. *Kanz al-‘Ummāl* (Beirut: Dār al-Ma‘rifa, n.d.), ḥadīth: 14221.

: نہیں اس وقت تم بہت زیادہ ہو گے مگر تمھاری مثال سیلاب کے خس و خاشاک کی طرح ہو گی تمھارے دشمن کے دلوں سے اللہ تعالیٰ تمھارا رعب نکال دے گا اور تمھارے دلوں میں وہن ڈال دے گا۔ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! یہ وہن کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: دنیا کی محبت اور موت کا خوف۔[12]

مبحث چہارم: علم و فکر میں ترجیحات؛ اجتہاد، فتویٰ، فہم اور فقہی آراء کا موازنہ

1. علم کی عمل پر ترجیح

شرعی طور پر اہم ترین ترجیحات میں سے ایک یہ ہے کہ علم عمل پر مقدم ہے۔ کیوں کہ علم پہلے ہوتا ہے اور عمل بعد میں۔ علم عمل کا رہنما اور مرشد ہوتا ہے۔ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ[13] یقیناً اللہ کے بندوں میں اس سے ڈرنے والے وہی ہیں جو علم رکھتے ہوں۔

احادیث میں سے ایک یہ ہے کہ مَن يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ[14] اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔ علم اس وجہ سے بھی عمل پر مقدم ہے کہ یہ اعتقادات میں حق اور باطل کے درمیان، اقوال میں صحیح اور غلط کے درمیان، عبادات میں سنت اور بدعت کے درمیان، معاملات میں صحیح اور فاسد کے درمیان، افعال میں حلال و حرام کے درمیان، اخلاق میں اچھے اور برے کے درمیان، معیارات میں مقبول اور مردود کے درمیان اور اقوال و اعمال میں راجح اور مرجوح کے درمیان تمیز کرتا ہے۔ یہ بات ان بعض مسلمانوں کے طرز عمل سے واضح ہے جنھوں نے حضرت علیؓ کی فضیلت، غلبہ دین میں ان کی خدمات اور رسول اللہ سے نسب، رشتہ داری اور محبت میں ان کے قرب کے باوجود انھوں نے حضرت علیؓ کا خون بہانا بھی جائز سمجھا اور ان کے علاوہ دوسرے بہت سے مسلمانوں کا بھی۔ اور وہ اس کے ذریعے اللہ کے قریب ہونا چاہتے تھے۔ یہ ایسے ہی لوگوں کا تسلسل تھا جن میں سے ایک نے کسی موقع پر نبی ﷺ کی مال غنیمت کی تقسیم پر اعتراض کیا تھا۔ اس نے جہالت اور بے وقوفی کے ساتھ نبی کریم سے کہا تھا۔ اعدل "عدل سے کام لو۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

وَيْلَكَ! وَمَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ أَعْدِلْ؟ قَدْ خِبْتَ إِذَنْ وَخَسِرْتَ إِنْ لَمْ أَكُنْ أَعْدِلُ[15]

تجھ پر افسوس! اگر میں عدل نہ کروں تو اور کون کرے گا؟ اگر میں نے عدل نہ کیا تو تو یقیناً خائب و خاسر ہو جائے گا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اس تند خو اور اجڈ آدمی نے آپ سے کہا تھا: یَارَسُولَ اللّٰہِ ﷺ! اتَّقِ اللّٰہ، اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ سے ڈرو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: أَوَلَسْتُ أَحَقَّ أَهْلِ الْأَرْضِ أَنْ يَتَّقِيَ اللَّهَ ؟ کیا اہل زمین میں کوئی ایسا بھی ہے جو مجھ سے زیادہ اللہ کا خوف رکھتا ہو؟ اسے اور اس طرح کے لوگوں کو تالیف قلوب کی پالیسی سمجھ نہیں آئی تھی جو امت کے لیے بہت بڑے مصالح لانے والی تھی، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت اپنی کتاب میں دی ہے اور اس مد میں زکوۃ وصدقات خرچ کرنا بھی جائز ٹھہرایا ہے، تو غنیمت اور فے میں اس پر اعتراض کا کسی کو کیا حق بنتا ہے۔ پھر جب بعض صحابہ کرامؓ نے اس منہ زور آدمی کو قتل کرنے کی اجازت مانگی تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں روکا اور یہ پیشین گوئی فرمائی: کہ اسی طرح کا ایک گروہ ظہور پذیر ہو گا جن کی صفات یہ ہوں گی تم ان کی نمازوں کے مقابلے میں اپنی نمازیں، ان کے روزوں کے مقابلے میں اپنے روزے اور ان کے عمل کے مقابلے میں اپنے عمل کو حقیر جانو گے۔ وہ قرآن کو پڑھتے ہوں گے مگر قرآن ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ دین سے ایسے نکلیں گے جیسا کہ تیر کمان سے نکلتا ہے۔ قرآن ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا' کا مطلب یہ ہے کہ وہ

---

12 Abū Dāwūd. *Sunan Abī Dāwūd* (Beirut: Dār al-Kutub al-ʻIlmīya, n.d.), ḥadīth: 4297.
13 Al-Fatir, 35:28.
14 Al-Bukhārī. *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*, Kitāb al-ʿIlm (Beirut: Dār al-Maʻrifa, n.d.), ḥadīth: 67.
15 Al-Tibrīzī. *Mishkāt al-Maṣābīḥ* (Beirut: Dār al-Kutub al-ʻIlmīya, n.d.), ḥadīth: 5894.

ان کے دلوں میں جگہ نہیں بنائے گا نہ ان کی عقل اس کے نور سے منور ہو گی۔ وہ اس کی تلاوت سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کریں گے، اگر چہ یہ بہت نماز روزے ادا کرتے ہوں گے۔ ان کی صفات میں ایک یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ اہل اسلام کے خلاف جنگ کریں گے اور ان کو مشرک کہیں گے۔[16]

2. کار قضا اور علم

یہی معاملہ عدالتی امور کا بھی ہے حتی کے قاضی کے لیے بھی وہی شرط لگائی ہے جو خلیفہ کے لیے مقرر ہے اور وہ یہ کہ وہ مجتہد ہو۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قاضی تین قسم کے ہیں: ان میں سے دو آگ میں جائیں گے اور ایک جنت میں۔ ایک وہ شخص جس نے حق کو پہچانا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا تو وہ جنت میں ہو گا۔ دوسرا وہ شخص جو جہالت کے ساتھ لوگوں کے فیصلے کرتا ہے یہ آگ میں ہو گا اور تیسرا وہ ہے جو حق کو پہچانے لیکن ظلم کرتے ہوئے غلط فیصلہ دے تو یہ بھی آگ میں ہو گا۔[17]

3. علم کے بغیر فتویٰ

رسول اللہ ﷺ سے نے اس شخص پر شدت کے ساتھ نکیر فرمائی ہے جس نے آپ ﷺ کے دور میں فتوی دینے میں جلد بازی سے کام لیا تھا۔ اس نے ایک شخص کو جو زخمی تھا اور اسے جنابت لاحق ہو گئی تھی فتوی دیا تھا کہ اس پر غسل کرنا لازم ہے۔ اس نے اس بات کا کوئی خیال نہیں رکھا تھا کہ اس کو زخم ہے۔ اس سے وہ آدمی فوت ہو گیا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اسے اپنے ساتھیوں نے ہلاک کیا ہے اللہ انھیں ہلاک کرے۔ جب انھیں علم نہیں تھا تو کسی سے پوچھا کیوں نہیں، مرض جہل کا علاج یہ ہے کہ پوچھا جائے اس کے لیے تیمم ہی کافی تھا۔[18]

4. داعی اور معلم

دعوت اور تعلیم کے میدان میں علم کے ذریعے جو چیزیں پیدا ہوتی ہیں ان میں سے ایک اہم بات یہ ہے کہ معلم لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرے، انھیں مشکل میں نہ ڈالے، انھیں خوشخبری سنائے ، اور انھیں متنفر نہ کرے۔ جیسا کہ ایک متفق علیہ حدیث میں آیا ہے: يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا، وَبَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا[19] آسانی پیدا کرو مشکل میں نہ ڈالو، خوشخبری سناؤ متنفر نہ کرو۔

5. فہم کی حفظ پر ترجیح

علم الدرایت مقدم ہے علم الروایت پر، دوسرے الفاظ میں فہم اور سمجھ مقدم ہے محض حفظ و یادداشت پر۔ حقیقی علم وہی ہوتا ہے جو فہم اور ہضم کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ اسلام بھی ہم سے تفقہ فی الدین کا مطالبہ کرتا ہے۔ حضرت ابو موسی اشعریؓ سے روایت ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: مجھے جو علم اور ہدایت دی گئی ہے اس کی مثال اس موسلا دھار بارش کی طرح ہے جو زمین پر برستی ہے۔ زمین کا کوئی ٹکڑا تو ایسا ہوتا ہے کہ وہ بہت ساچارہ اور گھاس وغیرہ پیدا کرتا ہے۔ کوئی حصہ نشیبی ہوتا ہے وہ پانی کو روک لیتا ہے اور اس سے اللہ تعالی لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے۔ لوگ اس سے خود بھی پانی پیتے ہیں، اپنے جانوروں کو بھی دیتے ہیں اور کھیتوں کو بھی سیر اب کرتے ہیں۔ کوئی ٹکڑا ایسا ہوتا ہے جو چٹیل میدان ہوتا ہے، وہ نہ پانی جمع کرتا ہے اور نہ سبزہ اگاتا ہے۔[20]

---

16 Al-Tibrīzī, *Mishkāt al-Maṣābīḥ*, ḥadīth: 531.
17 Abū Dāwūd. *Sunan Abī Dāwūd* (Beirut: Dār al-Kutub al-ʻIlmīya, n.d.), ḥadīth: 3573.
18 Al-Tibrīzī, *Mishkāt al-Maṣābīḥ*, ḥadīth.531
19 Al-Bukhārī, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*, Kitāb al-ʿIlm, ḥadīth: 4344.
20 Al-Tibrīzī, *Mishkāt al-Maṣābīḥ*, ḥadīth: 150.

6. حفظ کا فائدہ

مطلب یہ نہیں ہے کہ حفظ کی مطلقا کوئی قدر و قیمت ہی نہیں ہے یا یہ کہ انسان کے حافظے کا کوئی فائدہ نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ حفظ صرف معلومات و حقائق کا ایک خزانہ ہوتا ہے اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بعد میں فائدہ لینے والے اس سے استفادہ کریں۔ چنانچہ حفظ فی نفسہ مقصود نہیں ہے بلکہ وہ ایک اور چیز کا ذریعہ ہے۔ مگر غلطی یہ ہے جس میں مسلمان مبتلا ہو چکے ہیں کہ انھوں نے حفظ کو زیادہ اہمیت دے رکھی ہے اور فہم کو پیچھے رکھ دیا ہے۔ یہاں تک کہ مختلف مقامات پر قراءت کے مقابلے ہوتے ہیں اور ان میں بڑے قیمتی انعامات دیے جاتے ہیں جن میں سے ایک ایک شخص کو ہزاروں اور لاکھوں کی رقم دی جاتی ہے۔ اس کی قدر کی جانی چاہیے اور اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیے لیکن اس طرح کے انعامات بلکہ ان کا آدھا یا ایک چوتھائی حصہ بھی ان لوگوں کے حصے میں نہیں آسکا جو مختلف شرعی علوم جیسے تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، عقیدہ اور دعوت میں نابغہ روزگار ہوتے ہیں، حالانکہ اس وقت امت مسلمہ کو ان علوم کی زیادہ ضرورت ہے اور ان علوم کا نفع بھی زیادہ اور مفید تر ہے۔

7. اجتہاد و تقلید میں ترجیح

اجتہاد اور تجدید و تکرار کو تقلید پر ترجیح دی جائے۔ اس کا تعلق بھی فقہ المقاصد کے ساتھ ہے، جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔ اور اس کا تعلق فہم اور حفظ کے مسئلے سے بھی ہے۔ علمائے امت میں سے سلف صالحین کے ہاں علم صرف احکام کی معرفت کا نام نہیں ہے، اگرچہ یہ معرفت دوسرے کی تقلید میں ہو اور اس کے اقوال کو بنیاد بنا کر کیا جاتا ہو، خواہ اس کی پشت پر کوئی قابل اطمینان دلیل نہ ہو۔ جو شخص اس طرح کرتا ہے وہ حق کو افراد سے جانتا ہے اور وہ افراد کی پیروی کرتا ہے نہ کہ دلائل اور حق کی۔ علامہ ابن قیم نے تقلید کی ممانعت اور اس کی مذمت پر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے: وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ[21] کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمھیں علم نہ ہو۔

i. فقہی آراء میں ترجیح

اہل علم کے ہاں یہ بات متعین ہے کہ جو چیز اجتہاد سے ثابت ہو اس کا وہ مقام نہیں ہے جو نص سے ثابت شدہ چیز کا ہے۔ اور جو چیز نص سے ثابت ہو اور اس کی تائید اجماع یقینی سے بھی ہو جائے وہ اس چیز سے مختلف ہے جو نص سے تو ثابت ہو مگر اس کے فہم میں اختلاف ہوا ہو۔ اس کے فہم میں اختلاف ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اجتہادی معاملہ ہے ۔ اجتہادی امور میں ایک عالم دوسرے پر نکیر نہیں کر سکتا۔ ہاں! وہ ایک دوسرے کا احترام کرتے ہوئے اس کے بارے میں ایک دوسرے کے ساتھ اختلاف کر سکتے ہیں۔ بعض نصوص ایسی ہوتی ہیں جن کا ثبوت اور دلالت دونوں بیک وقت ظنی ہوتے ہیں بعض ایسی ہوتی ہیں جن کا ثبوت ظنی اور دلالت قطعی ہوتی ہے۔ بعض ایسی ہوتی ہیں جن کا ثبوت قطعی اور دلالت ظنی ہوتی ہے اور بعض ایسی ہوتی ہیں جن کا ثبوت اور دلالت دونوں قطعی ہوتے ہیں۔

أ. ظنی الثبوت نصوص

ظنی الثبوت نصوص احادیث غیر متواترہ کے ساتھ مخصوص ہیں اور متواتر اس حدیث کو کہتے ہیں جسے سند کی ابتدا سے لے کر اس کی انتہا تک ایک جماعت نے دوسری جماعت سے روایت کیا ہو اور وہ جماعت اتنی بڑی ہو جس کے افراد کا جھوٹ پر اتفاق ناممکن ہو اور خبر واحد اس سے مختلف ایک چیز ہے۔

---

21 Banī Isrāʾīl, 17:36.

ب. ظنی الدلالت نصوص

ظنی الدلالت نصوص قرآن و سنت دونوں پر مشتمل ہیں۔ قرآن و سنت کی زیادہ تر نصوص ایسی ہیں جن میں متعدد مفہومات اور تفسیروں کی گنجائش موجود ہوتی ہے کیوں کہ کسی زبان کے الفاظ طبعی طور پر حقیقت و مجاز، صریح و کنایہ، خاص و عام اور مطلق و مقید پر مشتمل ہوتے ہیں اور ان میں بھی دلالت مطابقی، دلالت تضمنی اور دلالت التزامی کا احتمال موجود ہوتا ہے۔

ج. قطعی الثبوت و ظنی الدلالت

ثبوت کے لحاظ سے قرآن مکمل بلاشک وشبہ قطعی ہے مگر اس کی اکثر آیات اپنی جزئیات کے اعتبار سے ظنی الدلالت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے ان سے استنباط کرنے میں اختلاف کیا ہے۔

د. قطعی الثبوت و قطعی الدلالت

بڑے مسائل جیسے الوہیت، رسالت، جزا و سزا، اصول عبادات، بنیادی اخلاقیات (فضائل ورذائل) بنیادی عائلی احکام، میراث، حدود و قصاص اور اس طرح کے دوسرے احکام آیات محکمات میں بیان ہوئے ہیں جو ان مسائل میں نزاع کو ختم کر دیتے ہیں اور سارے لوگ ایک ہی کلمے پر جمع ہو جاتے ہیں۔ ان مسائل کی سنت نبوی نے بھی قولی فعلی اور تقریری لحاظ سے تاکید کی ہے، علمائے امت کے یقینی اجماع نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ اس کے علاوہ امت کا عمل بھی اس کے ساتھ شامل ہے۔[22]

ہ. امت کو درپیش اصل معرکہ

ہمیں چاہیے کہ اپنی توجہ اجماعی قطعیات پر مرکوز کریں اور مختلف فیہ ظنیات سے بچیں۔ امت کو جس چیز نے مشکلات سے دوچار کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس نے قطعیات کو چھوڑ دیا ہے اور اس وقت دنیا کے کونے کونے میں داعیانِ اسلام اور داعیان سیکولرزم کے درمیان جو معرکہ برپا ہے وہ انھی قطعیات کے بارے میں ہے، عقیدے کے قطعیات، قانون کے قطعیات، فکر کے قطعیات اور کردار کے قطعیات۔ یہ قطعیات ہی ہیں جن کے لیے ضروری ہے کہ یہ تفہیم و تلقین، دعوت وارشاد، تعلیم و تربیت اور پوری اسلامی زندگی کے وجود کی بنیاد بنیں۔

مبحث پنجم: فتویٰ اور دعوت میں ترجیحات

1. یسر کی عسر پر ترجیح

یہاں مطلوب ترجیحات میں سے، خصوصاً دعوت وافتاء کے میدان میں، ایک یہ ہے کہ تخفیف اور تیسیر کو تشدید اور تعسیر پر مقدم رکھا جائے۔ کتاب وسنت کی نصوص اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ تیسیر اور تخفیف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو محبوب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ[23] اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے، اور وہ تم پر سختی نہیں چاہتا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ:

> نبی ﷺ کو جب بھی دو امور کے بارے میں اختیار دیا جاتا تھا تو آپ ان میں سے آسان پہلو کو چن لیتے تھے، سوائے اس کے کہ وہ کوئی گناہ کا معاملہ ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ ﷺ ہم سب سے زیادہ اس سے دور رہتے تھے۔[24]

---

22 Gulzada Sherpao, *Deen Mein Tarjihat*, p. 120.
23 Al-Baqarah, 2:185.
24 Al-Tibrīzī, *Mishkāt al-Maṣābīḥ*, ḥadīth: 6236

2. عسر کی ناپسندیدگی

حضرت معاذ بن جبلؓ کا واقعہ ہے کہ وہ لوگوں کو نماز کی امامت کراتے تھے اور اس میں لمبی قرات کرتے تھے۔ انھوں نے لوگوں کو اس قدر مشکل میں ڈالا کہ انھوں نے آخر کار نبی ﷺ کو شکایت کی۔ آپ ﷺ نے حضرت معاذؓ کی یہ بات ناپسند فرمائی اور ان سے کہا: اے معاذ تو لوگوں کو فتنے میں ڈالتا ہے! اے معاذ تو لوگوں کو فتنے میں ڈالتا ہے! اے معاذ تو لوگوں کو فتنے میں ڈالتا ہے۔[25]

مبحث ششم: عمل میں ترجیحات: دائمی، زیادہ نفع بخش اور دور رس اثرات والے اعمال کی اہمیت

1. دائمی عمل کی عارضی عمل پر ترجیح

ان معیارات میں سے ایک یہ ہے کہ عمل دائمی ہو۔ اور دائمی کا مطلب یہ ہے کہ اس کا فاعل اس پر ہمیشہ قائم رہے اور اس کی پابندی کرے۔ بر خلاف اس عمل کے جسے آدمی کبھی کرے اور کبھی نہ کرے۔ اس بارے میں وہ حدیث آئی ہے جس میں کہا گیا ہے:۔ أَحَبُّ الْأَعْمَالُ إِلَى اللَّهِ أدومها وان قل اللہ کے ہاں محبوب ترین عمل وہ ہوتا ہے جسے ہمیشہ کیا جائے، خواہ وہ کم ہی ہو۔[26]

2. زیادہ نفع بخش کام کی ترجیح

عمل کی ترجیحات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ جو کام کرنا چاہتے ہیں وہ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ نفع بخش ہو۔ پھر وہ جس قدر دوسروں کے لیے مفید ہو گا اس قدر اللہ کے ہاں اس کا مقام و مرتبہ بھی بڑا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جہاد کے جنس سے جو اعمال ہیں وہ ان اعمال سے زیادہ فضیلت رکھتے ہیں جن کا تعلق محض عبادات اور خصوصاً حج سے ہوتا ہے۔ کیوں کہ حج وغیرہ عبادات کا نفع صرف اس شخص کے لیے ہوتا ہے اور جہاد کا نفع پوری امت کے لیے ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اللہ تعالی فرماتا ہے: کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی مجاوری کرنے کو اس شخص کے کام کے برابر گمان کر لیا ہے جو ایمان لایا اللہ پر اور روز آخر پر اور جس نے جاں فشانی کی اللہ کی راہ میں؟ اللہ کے نزدیک تو یہ دونوں برابر نہیں ہیں اور اللہ ظالموں کی رہنمائی نہیں کرتا۔[27]

حدیث شریف ہے: لوگوں میں اللہ کو سب سے محبوب وہ لوگ ہیں جو ان کے لیے سب سے زیادہ نفع بخش ہوں۔ اللہ کے نزدیک سب سے بہتر عمل یہ ہے کہ تم ایک مسلمان کو خوش کرو، یا اس سے کوئی مصیبت دفع کرو، یا اس کا قرض ادا کرو، یا اس سے بھوک کو بھگاؤ اگر میں اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ اس کی حاجت میں چند قدم چلوں یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں ایک مہینے تک مسجد میں اعتکاف کروں۔[28] يَوْمٌ مِّنْ إِمَامٍ عَادِلٍ أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّينَ سَنَةٍ عادل حکمران کی زندگی کا ایک دن ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔[29]

3. دور رس اثرات والے عمل کی ترجیح

چونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ہاں کسی چیز کا زیادہ دیر تک نفع بخش ہونا اور اس کے نفع کا دائرہ وسیع ہونا ایک رتبہ ہے اور یہ رتبہ مطلوب اور فضیلت والا بھی ہے اس بنا پر کسی کام کا امتداد اور اس کا ایک عرصے تک رہنا بھی مطلوب اور محمود ہے۔ پھر جس قدر کسی چیز کا نفع زیادہ عرصے کے لیے ہو گا اسی قدر وہ عمل اللہ تعالی کے ہاں افضل اور محبوب ہو گا۔ اسی وجہ سے ایسی چیز کا صدقہ کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے جس کا نفع

---

25 Al-Bukhārī, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*, Kitāb al-ʿIlm, ḥadīth: 6106
26 Al-Bukhārī, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*, Kitāb al-ʿIlm, ḥadīth: 6464
27 Al-Tawbah, 9:19.
28 Muttaqī Hindī, *Kanz al-ʿUmmāl*, ḥadīth: 43596.
29 Ibn Shaybah. *Muṣannaf Ibn Abī Shaybah* (Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmīya, n.d.), ḥadīth: 33225.

زیادہ ہو مثلاً بکری یا حاملہ اونٹنی جس کے بارے میں یہ ممکن ہوتا ہے کہ اس سے اس شخص کو اور اس کے اہل و عیال کو بڑے عرصے تک دودھ ملے گا جس پر صدقہ کیا گیا ہے۔

4. دور فتن میں عمل کی ترجیح

عمل کے سلسلے میں جو ترجیحات مطلوب ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایسے فتنوں مشکلات اور سختیوں کے دور میں عمل ہی کو اپنے لیے ذریعہ نجات بنایا جائے جو امت کے وجود کے لیے خطرناک ہوں۔ ایسے مواقع پر عمل صالح دین میں مضبوطی، اس پر جماؤ اور حق پر ثابت قدمی کی دلیل بن جاتا ہے۔ اس دور میں عمل صالح کی ضرورت دوسرے ادوار سے کہیں زیادہ ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے: طاقت ور مومن اللہ کے ہاں کم زور مومن سے بہتر اور محبوب ہے۔[30] اس کی مزید تائید آپ ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے: بہترین جہاد یہ ہے کہ ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہا جائے۔[31]

5. عقیدہ کی عمل پر ترجیح

دین کی میزان میں عمل کی ترجیحات میں سے ایک یہ ہے کہ باطنی اور قلبی اعمال (عقیدہ) کو ظاہری اور جسمانی اعمال پر مقدم کیا جائے۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبَلُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا كَانَ خَالِصًا، وَابْتَغِي بِهِ وَجْهُهُ اللہ تعالیٰ عمل کو قبول نہیں کرتا جب تک وہ خالص نہ ہو اور اس کا مقصد اللہ کی رضا نہ ہو۔[32]

حضرت انس ؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

> تین چیزیں ہیں جو اگر کسی میں پائی گئیں تو اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا: ایک یہ کہ اللہ اور رسول ﷺ اس کو ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوں، دوسری یہ کہ وہ کسی شخص سے محبت کرے اور صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لیے کرے، تیسری یہ کہ وہ کفر میں لوٹنا اس قدر ناپسند کرے جتنا کہ آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔[33]

اس بنا پر ہمیں بعض دین داروں پر عموماً، اور داعیوں پر خصوصاً بہت تعجب ہوتا ہے کہ وہ اپنی توجہ بعض ایسے اعمال اور آداب پر مرکوز کرتے ہیں جن کا تعلق باطن کی نسبت ظاہر سے ہے اور اصل جوہر کی نسبت شکل وصورت سے زیادہ ہوتا ہے۔ جیسے شلوار کا ٹخنوں کے اوپر ہونا، مونچھیں منڈوانا یا کم کرنا اور داڑھیوں کو بڑھانا، عورت کے لیے چہرے کا پردہ، منبر کی سیڑھیوں کی تعداد نماز میں ہاتھ یا پاؤں رکھنے کا انداز اور اس طرح کے دوسرے امور جن کا تعلق ظاہری شکل وصورت سے زیادہ اور اصل جوہر سے کم ہوتا ہے۔ یہ چیز میں خواہ کسی بھی وضع میں ہوں، دین میں کوئی ترجیح نہیں رکھتیں۔

6. زمان و مکان کا اختلاف

یہاں ایک اہم نکتہ ہے جس کی وضاحت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ بہت سے امور میں اولویت اور افضلیت زمان و مکان اور اشخاص و احوال کے لحاظ سے ہوتی ہے اگر چہ ان کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ بلکہ غالب یہی ہے کہ اس میں زمانی، ماحولیاتی اور شخصی اختلافات کے ساتھ اختلاف پیدا ہوتا ہے۔

---

30 Muslim ibn Ḥajjāj, *Ṣaḥīḥ Muslim*, ḥadīth: 6774.
31 Ibn Mājah, *Sunan Ibn Mājah*, ḥadīth: 4011
32 Al-Nasāʾī. *Sunan al-Nasāʾī* (Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmīya, n.d.), ḥadīth: 3144.
33 Ibn Mājah, *Sunan Ibn Mājah*, ḥadīth: 4033

7. افضل دنیوی عمل

زراعت، صنعت اور تجارت میں سے کون سا عمل افضل ہے ہر فن کی فضیلت میں مختلف احادیث آئی ہیں زراعت کی فضیلت میں یہ حدیث ہے: کوئی مسلمان جب کوئی پودا لگاتا ہے یا کوئی فصل اُگاتا ہے اور پرندے، انسان یا جانور اس میں سے کھاتے ہیں تو یہ اس کے لیے صدقہ بن جاتا ہے۔[34]

اسی طرح صنعت، تجارت کے حوالے سے بھی احادیث موجود ہیں۔ محققین علما نے کہا ہے کہ ہم ان میں کسی کو بھی مطلقاً فضیلت نہیں دے سکتے بلکہ ان کی فضیلت اس بات پر منحصر ہو گی کہ معاشرے کو کس چیز کی زیادہ ضرورت ہے۔ جس مقام پر غلے کم ہوں اور معاشرہ اس بات کا محتاج ہو کہ اس کو روزمرہ کی غذائی اجناس میسر آئیں جس کے بغیر زندہ رہنا ممکن نہیں ہو تا وہاں قوم کو بھوک سے بچانے اور ان کے لیے غذائی ضروریات فراہم کرنے کی خاطر زراعت کا عمل دوسروں سے افضل ہو گا۔

8. افضل عبادت

یہی بات اس حوالے سے بھی کہی جاسکتی ہے کہ فرد کے لیے افضل عبادت کونسی ہے۔ اس میں علما کے درمیان بہت اختلاف ہوا ہے۔ اس میں ان کے اقوال بہت زیادہ اور ایک دوسرے سے بہت کچھ مختلف ہیں۔ لیکن سب سے راجح قول یہی ہے کہ اللہ کی رضا کے لیے عمل کرنا افضل ترین عبادت ہے۔ اور ہر وقت میں وہی کام افضل ہے جس کی اس وقت ضرورت ہو۔ چنانچہ جہاد کے وقت افضل ترین عبادت جہاد ہے، خواہ اس کی وجہ سے ذکر واذکار، تہجد اور نفل روزے چھوڑنے ہی پڑ جائیں، جب مہمان آجائے تو اس وقت افضل عمل یہ ہوتا ہے کہ اس کے حقوق ادا کیے جائیں اور اس کے لیے مستحب اذکار اور وظیفے چھوڑ دیے جائیں۔ یہی معاملہ شریک حیات اور اہل و عیال کے حقوق کے معاملے میں بھی ہے۔

مبحث ہفتم: ماموراتمیں ترجیحات؛ فرائض، سنن و نوافل، اور حقوق اللہ و حقوق العباد کے درمیان توازن

1. اصول کی فروع پر ترجیح

شرعی اوامر میں سب سے پہلے جس چیز کا خیال رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اصول کو فروع پر ترجیح دی جائے۔ اصول کو ترجیح دینے سے ہماری مراد یہ ہے کہ ان چیزوں کو مقدم کیا جائے جن کا تعلق اللہ تعالی پر اس کی وحدانیت پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے پیغمبروں پر اور روز آخرت پر ایمان کے ساتھ ہے۔ یہ ایمان کے بنیادی ارکان ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لو یا مغرب کی طرف بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یوم آخر اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کو اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے۔[35]

2. فرائض کی سنن و نوافل پر ترجیح

شریعت کی طرف سے مطالبے کے لحاظ سے اعمال میں نمایاں فرق ہے۔ بعض امور کا حکم مندوب اور مستحب ہونے کے لحاظ سے دیا گیا ہے اور بعض کا فرض اور واجب ہونے کے لحاظ سے۔ جب کہ بعض ایسے ہیں جو درمیان میں ہیں (یعنی وہ امور جو مستحب سے اوپر اور فرض سے کم درجے کے ہوتے ہیں) انھیں بعض فقہا واجب کا نام دیتے ہیں۔ پھر واجب اور فرض میں کچھ ایسے ہوتے ہیں جو کفائی طور پر لازم ہوتے ہیں۔ مطلب یہ کہ جب ان کو ایک فرد یا ایک بڑی جماعت ادا کرے تو باقی لوگوں سے گناہ ساقط ہو جاتا ہے۔ بعض امور فرض عین کے درجے میں ہوتے ہیں۔

---

34 Aḥmad ibn Ḥanbal. *Al-Musnad* (Beirut: Dār al-Maʻrifa, n.d.), ḥadīth: 12038.

35 Al-Baqarah, 2:177.

فرض عین ان کو کہتے ہیں جن میں بات کا رخ ہر اس شخص کی طرف ہوتا ہے جو مکلف ہو اور اس حکم کی شرائط پر پورا اترتا ہو۔ پھر فرض عین آپس میں بھی بہت کچھ مختلف ہوتے ہیں۔ بعض وہ ہیں جنھیں فرائض رکنیہ کہتے ہیں، جو ارکان اسلام میں سے شمار کیے گئے ہیں۔ ترجیحات کا مسئلہ تقاضا کرتا ہے کہ ہم زیادہ اہمیت والے واجب کو عام واجب پر اور عام واجب کو مستحب پر مقدم کریں، سنن اور مستحبات میں اتنی نرمی کریں جتنی فرائض اور واجبات میں نہیں کی جاسکتی اور بنیادی فرائض پر دوسرے فرائض کے مقابلے میں زیادہ زور دیں۔

3. فرائض سے غفلت

بعض اوقات ہم اچھے خاصے دین داروں کو دیکھتے ہیں کہ وہ راتوں کو اٹھ کر نمازیں پڑھتے ہیں اور پھر صبح اپنے کام پر، جس پر وہ تنخواہ کے امیدوار ہوتے ہیں اس حالت میں جاتے ہیں کہ وہ تھکاوٹ اور سستی کا شکار ہوتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں وہ اس کا پورا پورا حق ادا نہیں کر پاتے۔ کاش! کہ انھیں معلوم ہوتا کہ اپنے کام کو اچھے طریقے سے انجام دینا بھی فرض ہے۔

نبی ﷺ نے اس عورت کو نفل روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے جس کا شوہر گھر میں موجود ہے سوائے اس کے کہ وہ اجازت دے۔ کیوں کہ شوہر کا حق ادا کرنا اس کے لیے نفل روزے سے زیادہ ضروری ہے۔[36]

4. فرض کفایہ اور فرضِ عین

یہ بات یقینی ہے کہ فرض عین، فرض کفایہ پر مقدم ہے، کیوں کہ فرض کفایہ کو اگر چند افراد ادا کریں تو باقی لوگوں کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ جبکہ فرض عین میں ایسا ممکن نہیں ہے، ان میں کوئی بندہ کسی دوسرے کی جگہ یہ فرض ادا نہیں کر سکتا۔

احادیث سے ثابت ہے کہ فرض عین فرضِ کفایہ پر مقدم ہے۔ اس کی سب سے واضح مثال وہ ہے جو والدین کی خدمت اور فرض کفایہ جہاد فی سبیل اللہ کے بارے میں آئی ہے۔ فرض کفایہ جہاد اقدامی ہوتا ہے نہ کہ دفاعی، بعض فرض کفایہ وہ ہوتے ہیں جن کو چند افراد ادا کر لیتے ہیں، بلکہ بعض اوقات تو ایک جم غفیر بن جاتا ہے۔ بعض فرض کفایہ ایسے ہیں جنھیں ایک معقول گروہ انجام نہیں دیتا، بلکہ بعض اوقات تو کوئی بھی اسے ادا نہیں کرتا۔ امام غزالیؒ نے اپنے دور کے لوگوں کا یہ عیب بیان کیا ہے کہ وہ فقہ کے حصول میں حد سے آگے بڑھ گئے ہیں حالانکہ اس کا حصول فرض کفایہ ہے۔[37] مگر دوسری طرف وہ اور واجبات کفایہ کے خلا کو پر کرنے سے پیچھے رہتے ہیں، جیسے علم طب۔ بات یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ایک ایک شہر میں پچاس پچاس فقیہ پائے جاتے ہیں مگر ان میں طبیب صرف ایک ہے اور وہ بھی غیر مسلم۔ بعض اوقات تو ایک فرض کفایہ لوگوں میں سے کسی کے لیے فرض عین بن جاتا ہے۔ یہ اس صورت میں ہو گا کہ وہ اکیلا ہی ایسا شخص ہو جس میں اس کے لیے مطلوبہ قابلیت اور اہلیت پائی جاتی ہو اور اس کو یہ بھی معلوم ہو کہ یہ کام کرنا ضروری ہے اور اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ بھی نہ ہو۔

5. حقوق اللہ اور حقوق العباد میں ترجیحات

اگر ایک طرف فرض عین فرض کفایہ پر مقدم ہے تو دوسری طرف فرض عین کے بھی آپس میں مختلف درجات ہیں۔ اس وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ شریعت بعض مسائل میں ایسے احکام کو زیادہ اہمیت دیتی ہے جن کا تعلق حقوق العباد سے ہوتا ہے۔ وہ فرض عین جس کا تعلق صرف حقوق اللہ سے ہوتا ہے اس میں سستی ممکن ہے۔ اس کے برعکس وہ فرض عین جس کا تعلق حقوق العباد سے ہوتا ہے اس میں یہ ممکن نہیں۔ علمانے کہا ہے: حقوق اللہ مسامحت پر مبنی ہیں اور حقوق العباد مشاحت (لڑائی جھگڑے) پر مبنی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مثلاً ایک طرف حج واجب ہے اور دوسری

---

[36] Abū Dāwūd, *Sunan Abī Dāwūd*, ḥadīth: 2458.
[37] Gulzada Sherpao, *Deen Mein Tarjihat*, p. 204

طرف قرض کی ادائیگی واجب ہے تو ان میں سے قرض کی ادائیگی کو مقدم کیا جائے گا۔ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ قرض ادا کیے بغیر حج کرے، سوائے اس کے کہ وہ قرض خواہ سے اجازت مانگے یا یہ کہ قرض میں ابھی وقت ہو اور اسے یقین ہو کہ حج کی ادائیگی کے باوجود وہ قرض اپنے وقت پر ادا کر سکے گا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ! یہ قرض کے بارے میں کتنی سختی نازل کی گئی ہے؟ اس ذات کی قسم، جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر ایک آدمی اللہ کی راہ میں قتل ہو جائے، پھر زندہ کیا جائے، پھر قتل ہو جائے اور پھر زندہ کیا جائے مگر وہ جنت میں نہیں جا سکے گا جب تک کہ وہ اپنا قرض ادا نہ کرے۔[38]

صحابہؓ میں سے ایک شخص خیبر میں وفات پا گیا۔ لوگوں نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے ساتھی کی نماز جنازہ خود ہی پڑھ لو۔ یہ سن کر لوگوں کا رنگ اڑ گیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تمھارے ساتھی نے اللہ کی راہ میں ہوتے ہوئے خیانت کی ہے۔ لوگوں نے اس کا سامان دیکھا تو انھیں ایک ڈھال ملی جسے یہودی استعمال کیا کرتے تھے جس کی قیمت دو درہم بھی نہیں ہو گی۔[39] دو درہم کی خیانت کی وجہ سے نبی ﷺ نے ایک صحابی کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کیا۔ یہ اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ حقوق العباد کی اہمیت بہت زیادہ ہے، خصوصاً وہ حقوق العباد جن کا تعلق مالی امور سے ہو خواہ عوامی اموال ہوں یا افراد کے ذاتی اموال۔ ان میں ناجائز طور پر مال لینا حرام اور اکل بالباطل ہے، خواہ وہ کتنا ہی کم ہو۔

6. جماعت کے حق کی فرد کے حق پر ترجیح

اس مقام پر ترجیحات کے مسئلے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ وہ فرائض جو جماعت کے حقوق سے تعلق رکھتے ہیں وہ مقدم ہوں گے ان فرائض پر جن کا تعلق افراد کے حقوق سے ہے کیوں کہ فرد کی بقا جماعت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ مثلاً جب جہاد فرض عین ہو جائے، مثلاً دشمن کسی مسلمان ملک پر حملہ آور ہو تو اس ملک کے سارے لوگوں پر فرض عین ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے ملک کے دفاع کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ اس صورت میں اگر کوئی ماں باپ اپنی مادری اور پدری شفقت کی وجہ سے کسی مسلمان کو جہاد میں شرکت سے روکیں تو شرعی طور پر اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اس قاعدے (یعنی اُمت کے حق کو فرد کے حق پر مقدم کرنے) کی عملی تعبیر کے طور پر امام غزالیؒ وغیرہ نے اس بات کو جائز قرار دیا ہے کہ اگر دشمن کسی مسلمان کو اپنے لیے ڈھال بنائے تو چند شرائط کے ساتھ ان کو مارنا جائز ہوتا ہے۔[40]

7. اتحاد امت

اس مفہوم کی تائید اس ہدایت سے بھی ہوتی ہے جو قرآن و سنت نے جماعت کے ساتھ تعلق اور اُمت ہونے کے احساس کو قبیلے، خاندان اور فرد کے ساتھ تعلق پر مقدم رکھنے کے حوالے سے دی ہے۔ چنانچہ اس میں نہ فردیت ہے نہ عصبیت اور نہ جماعت سے بے مہاری۔

حدیث شریف میں ہے: جو شخص اطاعت سے نکلا، جماعت سے الگ ہوا اور اس حالت میں مر گیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہو گی[41] اور جو عمیہ کے جھنڈے تلے لڑا، اس کا غصہ عصبیت کے لیے، اس کی دعوت عصبیت کی طرف اور اس کی مدد عصبیت کے ساتھ ہو اور اس حالت میں قتل

---

38 Al-Nasāʾī, *Sunan al-Nasāʾī*, ḥadīth: 4688
39 Abū Dāwūd, *Sunan Abī Dāwūd*, ḥadīth: 2710.
40 Gulzada Sherpao, *Deen Mein Tarjihat*, p. 211
41 Muslim ibn Ḥajjāj, *Ṣaḥīḥ Muslim*, ḥadīth: 4786.

ہوا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہو گی۔ اسلام اپنے تمام احکام اور تعلیمات میں قرآن و سنت کے ذریعے مسلمان کے دل میں اجتماعیت کے احساس کا بیج بوتا ہے۔

نماز باجماعت، جمعہ، عیدین، اذان اور مسجد میں حاضری کو لازم کیا گیا۔ روزہ بھی آدمی اکیلے نہیں رکھتا، خواہ اس نے رمضان کا چاند خود ہی دیکھ لیا ہو۔ وہ اکیلے عید الفطر بھی نہیں کرتا اگرچہ اس نے شوال کا چاند اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہو۔

مبحث ہشتم: ممنوعات میں ترجیحات؛ کفر، شرک اور انکار میں توازن

1. کفر کی قسمیں اور ان میں ترجیحات

منہیات بھی سارے کے سارے ایک ہی مرتبے میں نہیں ہیں۔ بلکہ اس میں بہت زیادہ تفاوت پایا جاتا ہے۔ ان میں سب سے اعلیٰ ممنوع جس میں کوئی شک نہیں ہے اللہ تعالی کے وجود سے انکار ہے اور اس کا ادنی ترین درجہ مکروہ تنزیہی کا ہے، جسے دوسرے الفاظ میں خلاف اولیٰ کہتے ہیں۔ کفر کے بھی اسی طرح کے ایک دوسرے سے کم یا زیادہ درجات ہیں۔

2. انکار والحاد

کفر کی ایک قسم یہ ہے کہ اس میں الحاد اور اللہ کے وجود سے انکار پایا جاتا ہو۔ یہ کفر کی قسموں میں سب سے بدترین قسم ہے۔

3. شرک

اس کفر مطلق سے کم درجے کا کفر وہ ہے جسے کفر شرک کہہ سکتے ہیں، جیسا کہ دور جاہلیت کے عربوں نے کیا تھا۔ وہ اس کے ساتھ اس چیز میں شرک کرتے تھے جسے توحید الہیہ کا نام دیا گیا ہے۔ یہ شرک اپنی مختلف صورتوں کے ساتھ جن میں عرب کے بت پرستوں کا شرک بھی داخل ہے، فارس کے مجوسیوں کا شرک بھی، جو کہتے تھے کہ الہ دو ہیں: ایک خیر اور نور کا الٰہ اور دوسرا شر اور ظلمت کا الٰہ اور اس میں ہندوؤں اور بدھ مذہب وغیرہ کا شرک بھی شامل ہے جن کی بت پرستی اب تک بہت بڑی بڑی اقوام کے دماغ کو گھیرے ہوئے ہے اور ایشیا و افریقہ میں کروڑوں لوگ اس کے پیروکاروں میں شامل ہیں۔ پیروکاروں کے لحاظ سے یہ سب سے بڑا شرک ہے۔

4. اہل کتاب

اس کفر سے بھی کم درجے کا کفر اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کا ہے۔ ان کا کفر اس وجہ سے ہے کہ وہ محمد ﷺ سے ان کی رسالت کو نہیں مانتے، حالانکہ آپ ﷺ کو اللہ تعالی نے اختتامی رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ آپ ﷺ پر ایک دائمی کتاب نازل کی گئی جو ایک طرف تورات اور انجیل جیسی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی تھیں اور دوسری طرف ان تعلیمات کی تصحیح کر رہی ہے جو اُن میں بھی موجود تھیں مگر بعد میں تحریف کی گئی ہیں۔

5. مرتدین

علمائے امت کے درمیان یہ بات طے ہے کہ کفر کی بدترین قسم مرتد ہونا ہے۔ اور مرتد یہ ہے کہ آدمی کو اللہ نے ہدایت عطا فرمائی ہو اور وہ اس کے بعد دوبارہ کفر کی طرف لوٹ جائے۔ ایمان لانے کے بعد کافر ہونا یہ زیادہ سخت گناہ ہے کہ آدمی ابتداء ہی سے کافر ہو۔ یہ وہ حرکت ہے کہ دشمنان اسلام اب بھی اس سے باز نہیں آئے اور وہ ہر ممکن ذریعہ استعمال کر کے مسلمانوں کو کافر بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ارتداد محض عقلی طور پر نقطہ نظر کی تبدیلی نہیں ہوتی یہ ایک جماعت سے اپنا تعلق توڑ کر ایک ایسی جماعت کے ساتھ جڑنا ہوتا ہے جو اس کے خلاف بلکہ اس کی دشمن ہو۔

حضرت عمرؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ مرتد کو جیل میں ڈالنے اور اسے زندہ رہنے دینے کو بھی جائز کہتے ہیں یہاں تک کہ وہ اپنی موت مر جائے یا اللہ کے سامنے لوٹ آئے۔[42] چنانچہ ضروری ہے کہ ہم ارتداد خفیف اور ارتداد غلیظ میں فرق کریں اور خاموشی سے مرتد ہونے والے اور اس شخص کے درمیان فرق ملحوظ رکھیں جو اپنے ارتداد کی طرف دعوت دینے والا ہو۔ ایسا شخص تو کھلم کھلا ان لوگوں میں سے ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ کے مرتکب ہوتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔ علماء نے بدعت میں مخفف اور مغلظ کے درمیان فرق کیا ہے اور اس مبتدع کے جو اپنی بدعت کی طرف دعوت دے رہا ہو اور جو خاموشی سے اپنی بدعت پر عمل کرتا ہو، ان دونوں کے درمیان فرق کیا ہے۔

6. کفر نفاق

کفر کی غلیظ ترین اور اسلامی زندگی کے لیے سب سے خطرناک قسم منافقت ہے۔ اس کے پیروکار مسلمانوں کے درمیان رہتے ہیں کیوں کہ وہ انھی میں سے شمار ہوتے ہیں، ان کے ساتھ نمازوں میں شریک ہوتے ہیں، انھی کی طرح زکوۃ دیتے ہیں۔ ہمارے دور میں بہت سے منافقین پائے جاتے ہیں جو نہ وحی الہی کا اقرار کرتے ہیں اور نہ شریعت کو فکر، کردار اور تعلقات کے لیے اعلیٰ ترین ماخذ کے طور پر تسلیم کرتے ہیں۔ وہ بڑی ڈھٹائی کے ساتھ دین، اس کے داعیوں اور اس کے ساتھ تعلق رکھنے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ مگر ان کی صورت حال یہ ہے کہ وہ منافق ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان پر اسلام کا نام بھی موجود رہے اور انھیں مسلمانوں کے زمرے میں بھی شمار کیا جائے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ دور نبوت کے منافقین سے بدتر ہوتے ہیں۔

i. کفر و شرک اور منافقت کے درجات

أ. کفر اصغر اور کفر اکبر

یہ بات معلوم ہے کہ کفر اکبر یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالی کے وجود سے یا اس کے رسولوں سے انکار کرے۔ اور کفر اصغر تو وہ تمام معاصی ہیں خواہ دین میں ان کی تعداد کتنی ہی زیادہ ہو۔

ب. شرک اکبر اور شرک اصغر

شرک اکبر تو معروف ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرایا جائے۔ اس سے اسی طرح محبت کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ سے کرنی چاہیے اور رہا شرک اصغر تو اس کی مثال معمولی ریا مخلوق کے لیے تصنع اور غیر اللہ کی قسم ہے۔

ج. نفاق اکبر اور نفاق اصغر

نفاق اکبر عقیدے کا نفاق ہے اور یہ جہنم کے نچلے طبقے میں ہمیشہ رہنے کا موجب ہے۔ رہا نفاق اصغر تو وہ عمل اور کردار کا نفاق ہے وہ یہ کہ آدمی دل میں درست عقیدہ رکھے مگر اعمال، اخلاق اور کردار میں منافقین کے طریقے پر چلے اس سے صحیح احادیث میں محتاط رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔

* گناہ کبیرہ کی قسمیں

معاصی کے دو مرتبے ہیں: ایک کبائر اور دوسرے صغائر۔ کبائر وہ بڑے گناہ ہوتے ہیں جو زیادہ خطرناک ہوتے ہیں جن کے فاعل پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے، وہ اس کی لعنت اور جہنم کی آگ کا مستحق بنتا ہے اور بعض اوقات ان کی وجہ سے دنیا میں حد بھی لازم ہوتی ہے۔ اس کی تعریف

42 Gulzada Sherpao, *Deen Mein Tarjihat*, p. 236

کرنے میں علماء کے درمیان بہت اختلاف ہوا ہے۔ سب سے زیادہ آرا جس تعریف کے بارے میں ہیں وہ یہ ہے کہ وہ گناہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کوئی حد مقرر کی ہو یا اس کے لیے آخرت میں کسی وعید شدید کا اعلان کیا ہو، جیسے آگ میں جانا، جنت سے محروم ہو جانا، یا اللہ کے غضب یا اس کے عذاب کا مستحق ہونا۔ یہ ساری باتیں کسی گناہ کے بڑے ہونے کی دلالت کرتی ہیں۔

* **عمل کبائر**

قرآن و احادیث میں چند کبائر کا ذکر کیا گیا ہے جیسے السبع الموبقات یعنی سات مہلکات، اسی طرح وہ بھی جو صحیح احادیث میں وارد ہوئے ہیں جیسے والدین کی نافرمانی، قطع رحمی، جھوٹی قسم، شراب نوشی، زنا، لواطت، خودکشی، راہزنی، غصب، مال غنیمت میں خیانت، رشوت، چغلی کھانا اسی طرح بنیادی فرائض کا ترک بھی اس میں شامل ہے۔ شریعت نے اس حوالے سے گناہوں کے درمیان فرق کیا ہے کہ کون سے گناہ ہیں جن پر آدمی کسی کمزوری کی وجہ سے آمادہ ہوتا ہے اور کون سے گناہ ایسے ہیں جو سرکشی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ پہلے کی مثال زنا ہے اور دوسرے کی مثال سود ہے۔ سود کو اللہ کے ہاں سب سے زیادہ سخت گناہ قرار دیا گیا ہے۔

* **عقیدے سے متعلق کبائر**

کبائر اعمال ظاہر ہی پر موقوف نہیں ہیں، جیسا کہ کبھی کبھی گمان کر لیا جاتا ہے، بلکہ عقیدے کے کبائر زیادہ بڑے اور خطرناک گناہ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ابلیس و حضرت آدم علیہ السلام کی حکم عدولی۔ ان دونوں معصیتوں میں فرق تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی معصیت ظاہری اور جسمانی تھی اس لیے انھوں نے جلد ہی اس سے توبہ کر لی۔ مگر ابلیس کی معصیت قلبی اور باطنی تھی جس نے اسے بدترین انجام سے دوچار کر دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان قلبی معصیتوں کے بارے میں زیادہ سخت وعید اور ان سے محتاط رہنے کی زیادہ تاکید آئی ہے جن کا شمار کبائر اور مہلک گناہوں میں ہوتا ہے۔ اکثر اوقات یہی ہوتے ہیں جو ظاہری کبائر کے ارتکاب، مامورات کے ترک اور ممنوعات کو اختیار کرنے کے لیے اصل اور بنیادی محرک بن جاتے ہیں۔ قرآن و حدیث میں کئی ایسے گناہوں کا ذکر ہے جن سے بڑی تاکید کے ساتھ روکا گیا اور ان کی سخت سے سخت الفاظ میں مذمت کی گئی ہے بلکہ ان سے ایمان کا خاتمہ ہونا بھی قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً ابلیس کا تکبر کرنا، قابیل کا بغض و حسد، طمع و لالچ کا مہلک ہونا اور ایمان کا متضاد قرار دینا، شدید خواہش نفس جو گمراہی و سرکشی کا باعث ہے، خود پسندی کا باطل گمان، ریاکاری سے سب اعمال ضائع، دنیا کی محبت تباہی کی علامت، مال و جاہ اور عہدے کی محبت دو بھوکے بھیڑیوں سے زیادہ نقصان دہ، حسرت و یاس کفر کی علامت، مکر و فریب اور فحاشی پھیلانا ان سب سمیت اور کئی گناہ ہیں جو انتہائی مہلک اور کبائر میں شامل ہوتے ہیں۔

* **گناہ صغیرہ**

کبائر کے بعد ان محرمات کی باری آتی ہے جن کی حرمت قطعی ہوتی ہے۔ انھیں شارع نے "**لمم**" یا "**محقرات**" کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ یہ ایسے گناہ ہیں جن سے شاید ہی کوئی شخص محفوظ رہا ہو، عموماً کسی نہ کسی دور میں آدمی ان میں مبتلا ہوا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ان کو کبائر سے الگ کیا جاتا ہے۔ یہ ایسے گناہ ہوتے ہیں جو پنج وقتہ نمازوں، نماز جمعہ، رمضان کے روزوں اور اس میں قیام اللیل سے بخش دیے جاتے ہیں۔ سلف کی ایک بڑی جماعت سے لمم کی تعریف میں روایت کیا گیا ہے کہ یہ کسی وقت گناہ کی طرف مائل ہونا اور دوبارہ اس کی طرف نہ لوٹنا ہے، خواہ وہ کبیرہ ہی کیوں نہ ہو۔

اسی طرح کبھی ایک ہی معصیت ہوتی ہے مگر اس کا ارتکاب کرنے والے شخص یا اس کے حالات کے لحاظ سے اس کے گناہ میں فرق ہوتا ہے۔ چنانچہ غیر شادی شدہ کے زنا اور شادی شدہ کے زنا میں فرق ہوتا ہے، جوان اور بوڑھے کے زنا میں بھی فرق ہوتا ہے، اور اسی طرح پڑوسی کی بیوی

یا اس شخص کی بیوی سے زنا کرنا جس کا شوہر جہاد میں شریک ہو یا محرم عورت کے ساتھ یا رمضان کے دنوں میں یا حرم میں زنا، دوسرے حالات میں زنا سے زیادہ ناپسندیدہ ہے۔

* **عملی و اعتقادی بدعتیں**

ہم وہ چیز بھی گناہوں کے ساتھ شامل کر سکتے ہیں جو شریعت میں بدعت کے نام سے مشہور ہے۔ اور بدعت وہ ہوتی ہے جسے لوگوں نے دین کے معاملات میں نیا ایجاد کیا ہو خواہ وہ اعتقادی بدعت ہو، جسے بدعت قولی بھی کہتے ہیں یا عملی بدعت ہو، جسے بدعت فعلی بھی کہتے ہیں۔ یہ بھی محرمات کی ایک قسم ہے مگر عمومی معاصی سے مختلف ہے۔ اس کا فاعل ان سے اللہ کا قرب چاہتا ہے اور اس کا عقیدہ ہوتا ہے کہ وہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کر رہا ہے۔ یہی اس کا اصل نقصان ہے۔ ابلیس کو گناہ کے مقابلے میں بدعت زیادہ محبوب ہے کیوں کہ اس کا صاحب اس سے نہ توبہ کرتا اور نہ اس سے باز آتا ہے بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی اس کی طرف بلاتا ہے۔ پھر ضمنی طور پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مسترد کردہ امور کو معتبر سمجھا جاتا ہے۔ بدعتیں ساری ایک مرتبے کی نہیں ہوتیں کچھ بدعات مغلظہ ہوتی ہیں اور کچھ مخفف، کچھ متفقہ ہوتی ہیں اور کچھ اختلافی۔

بدعات مغلظہ میں بھی بعض وہ ہوتی ہیں جو آدمی کو کفر تک پہنچا دیتی ہیں جیسے وہ فرقے جو دین اسلام کے اصول ہی سے نکل گئے اور اُمت سے الگ ہو گئے۔ مثلاً نصیریہ، درزیہ، اسماعیلیہ (آغا خانی) اور اس طرح کے دوسرے لوگ جن کے بارے میں امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ان کی ظاہری صورت رافضیوں کی اور ان کا باطن کافروں کا ہے۔ کچھ بدعتیں ایسی ہیں جو غلیظہ تو ہیں مگر وہ آدمی کو کفر تک نہیں پہنچاتیں بلکہ اسے فسق تک پہنچا دیتی ہیں اور یہ اعتقادی فسق ہوتا ہے عملی نہیں۔ اس طرح کا بدعتی بعض اوقات سب سے زیادہ اور لمبی لمبی نمازیں پڑھتا ہے اکثر روزے رکھتا ہے اور قرآن کی تلاوت بھی بہت زیادہ کرتا ہے جیسا کہ خوارج کا حال تھا۔ اس کے علاوہ کچھ بدعات خفیفہ ہیں جو اجتہادی غلطی کی وجہ سے یا استدلال میں یکسانیت کی بنا پر پیدا ہوئی ہیں ان کا شمار معاصی کے باب میں صغائر کے ساتھ ہوگا۔ کچھ بدعات ایسی ہیں جن کے بارے میں اختلاف ہوتا ہے بعض لوگوں نے ان کی تائید کی ہوتی ہے اور بعض نے تردید جیسے نبی ﷺ اور اللہ کے دوسرے نیک بندوں کو وسیلہ بنانا یہ عملی اور فروعی مسائل ہیں عقیدے اور اصول کے نہیں۔

* **مشتبہات**

مشتبہات وہ ہوتی ہیں جن کا حکم اکثر لوگوں کو معلوم نہیں ہوتا۔ وہ اس کے حلال یا حرام ہونے کے حوالے سے اشتباہ میں ہوتے ہیں۔ یہ ان محرمات کی طرح نہیں ہیں جن کی حرمت قطعی ہوتی ہے۔ جو شخص اہل اجتہاد میں سے ہو اور اس کا اجتہاد اسے کسی مشتبہ چیز کے مباح یا اس کی حرمت کے بارے میں یکسو کر دے تو اسے اپنے اجتہاد پر عمل کرنا چاہیے۔ اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے اجتہاد پر عمل کو چھوڑ کر دوسروں کے خیالات پر تکیہ کرے جن امور کے بارے میں اکثر لوگوں پر یہ بات واضح نہ ہو کہ یہ حلال ہیں یا حرام، انھی امور کے بارے میں بعض لوگوں پر واقع ہو جاتا ہے کہ کون سی چیز حلال ہے اور کونسی حرام، کیوں کہ ان کے پاس ان چیزوں کے بارے میں زیادہ علم ہوتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شبہات سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچا لیا اور جو مشتبہات میں پڑ گیا وہ حرام میں مبتلا ہو گیا۔[43]

---

[43] Ibn Mājah, *Sunan Ibn Mājah*, ḥadīth: 3984.

ان امور کے بارے میں لوگوں کو دو اقسام میں تقسیم کیا۔ اور یہ قسمیں ان لوگوں کے لحاظ سے ہیں جس کے لیے اشتباہ پیدا ہو گیا ہو۔ اور یہ وہی ہے جو نہ جانتا ہو۔ جو شخص اس کا علم رکھتا ہے اور وہ اس چیز کی پیروی کرتا ہے جن کی طرف اس کے علم نے اس کی رہنمائی کی ہوتی ہے تو یہ تیسری قسم ہے جسے حدیث میں اس لیے ذکر نہیں کیا گیا کہ اس کا حکم ظاہر تھا۔ یہ قسم تینوں میں سے افضل قسم ہے۔ کیوں کہ اس نے ایک مشتبہ مسئلے میں اللہ کے متعین کردہ حکم کو جان لیا اور اس کی پیروی کی۔ جن لوگوں کو اللہ تعالی کا حکم معلوم نہ ہو ان کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جو ان مشتبہات سے بچتے ہیں، اس لیے کہ یہ مشتبہات ہیں۔ ایسے لوگوں نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا۔ استبرأ کے معنی ہیں کہ اس نے اپنے دین اور عزت کے لیے ہر نقص اور عیب سے برأت طلب کی۔ دوسرے وہ جو اشتباہ کے باوجود ان شبہات میں پڑتے ہیں مگر جو آدمی کوئی ایسا کام کرتا ہے جس میں دوسرے لوگوں کو شبہ نظر آرہا ہو، اور وہ اسے اس وجہ سے کرتا ہے کہ اس کے خیال میں یہ کام حقیقتا حلال ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حرج نہیں ہوگا۔ لیکن وہ اس کے بارے میں اس وجہ سے ہچکچاتا ہے کہ لوگ اس پر اعتراض کریں گے تو اس کا چھوڑنا اس کے لیے عزت کی حفاظت کے طور پر بہتر ہوگا۔ جیسا کہ نبی ﷺ کو کسی آدمی نے حضرت صفیہؓ کے ساتھ کھڑے دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تمھاری ماں صفیہؓ بنت حیی ہے۔[44]

* مکروہات

مکروہات میں بعض مکروہ تحریمہ ہیں اور بعض مکروہ تنزیہی۔ مکروہ تحریمی اس کو کہتے ہیں جو حرام کے زیادہ قریب ہو اور مکروہ تنزیہی اس کو کہتے ہیں جو حلال کے زیادہ قریب ہو۔ اور جب مکروہ کا لفظ مطلقاً بولا جاتا ہے تو اس سے مراد مکروہ تنزیہی ہوتی ہے۔ جیسے ٹیک لگا کر کھانا، مشکیزے سے منہ لگا کر پینا، کوئی چیز پیتے ہوئے اس میں پھونک مارنا، دائیں ہاتھ سے استنجا کرنا، بغیر عذر کے دائیں ہاتھ سے عضو کو چھونا، ایک جوتے میں چلنا، مسجد میں لڑنا اور آواز اونچی کرنا، مرغ کو گالی دینا، منہ پھاڑ کر باتیں کرنا وغیرہ۔[45] مکروہ جیسا کہ علماء فرماتے ہیں وہ ہیں جن کے ترک کرنے میں اجر ہوتا ہے اور ان کے کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ اس لیے اس شخص پر کوئی سزا لازم نہیں ہوتی جس نے مکروہ تنزیہی کا ارتکاب کیا ہو۔ اس کی تھوڑی سی سرزنش کی جائے گی بشرطیکہ وہ ایسے لوگوں میں ہو جس پر سرزنش کرنا کوئی معنیٰ رکھتا ہو، خاص طور پر اس صورت میں جب وہ اس مکروہ کا ارتکاب بار بار کرے۔ مگر ایسے آدمی کے فعل کو شدید منکر قرار دینا تو دور کی بات ہے اسے منکر کہنا بھی مناسب نہیں۔ اسی طرح یہ بات بھی جائز نہیں ہے کہ لوگ مکروہات کے خلاف تو مسلح جہاد ہوں مگر خود صریح حرام میں مبتلا ہوں۔

مبحث نہم: اصلاح میں ترجیحات

1. فردی کی اصلاح

اصلاح کے میدان میں اہم ترین ترجیحات میں سے ایک یہ ہے کہ معاشرے کی تعمیر سے پہلے فرد کی تعمیر کا اہتمام کریں۔ دوسرے الفاظ میں نظام اور اداروں میں انقلاب سے پہلے فرد میں انقلاب لانا ہوگا۔ انسان کی صحیح تربیت کے لیے سب سے پہلے اس کی بنیاد ایمان پر رکھی جاتی ہے۔

عقیدہ انسان کو اس کے آغاز اور انجام کے بارے میں خبر دار کرتا ہے یہ انھیں ان سوالات کا جواب دیتا ہے جو بے دین لوگوں کو ہر وقت پریشان کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ میں کون ہوں؟ میں کہاں سے آیا؟ اور مجھے کہاں جانا ہے؟ میں کس لیے پیدا کیا گیا ہوں؟ زندگی اور موت کیا ہیں؟ زندگی سے پہلے کیا تھا؟ اور موت کے بعد کیا ہوگا؟ زمین کے اس سیارے میں سمجھ بوجھ کی عمر سے لے کر مرنے تک میرا کیا پیغام ہے؟ ایمان اور

---

44 Al-Bukhārī, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*, Kitāb al-ʿIlm, ḥadīth: 2038
45 Nawawī, *Riyāḍ al-Ṣāliḥīn*, p. 236.

صرف ایمان ہی ہے جو انسان کو اس کے انجام کے حوالے سے ان بڑے سوالات کا شافی جواب دیتا ہے اس بنا پر مکی سورتوں کا کام پورے تیرہ سال تک یہی رہا کہ اس انسان کی تعمیر کرے ایک ایسی نسل تیار کرے جو ہر اول دستے کا کام دے، ایسی کامل تربیت جو اس کے ایمان، اخلاق اور عقل سب پر حاوی ہو۔ ہم جس تربیت کی بات کر رہے ہیں وہ اسی نوع میں داخل ہے اور یہ بھی جہاد ہی ہے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے سنت نبوی میں جہاد کے تیرہ مراتب بیان کیے ہیں۔

نفس کے خلاف جہاد کے بھی چار مراتب ہیں: ایک یہ ہے کہ ہدایت اور دین حق کی تعلیم پر مجبور کر کے اس کے خلاف جہاد کرے، دوسرا یہ کہ سیکھنے کے بعد اسے عمل پر مجبور کر کے اس کے خلاف جہاد کیا جائے۔ تیسرا یہ کہ اسے دعوت پر مجبور کر کے اس کے خلاف جہاد کیا جائے۔ ان لوگوں کو تعلیم دیں جو علم کی دولت سے محروم ہیں۔ چوتھا یہ کہ دعوت الی اللہ کے راستے میں پیش آنے والی مشکلات پر مجبور کر کے اس کے خلاف جہاد کیا جائے۔ شیطان کے خلاف جہاد کے دو مرتبے ہیں: ایک جہاد ان شبہات کو دور کرنا ہے جو شیطان اس کے دل میں ڈالتا ہے اور جو ایمان کے لیے نقصان دہ ہوتے ہیں، دوسرا ان غلط ارادوں اور خواہشات کو دور کرنا جنھیں شیطان اس کے لیے خوشنما بناتا ہے۔ ان میں پہلی قسم کا جہاد یقین کے اسلحے سے ہو گا اور دوسرا صبر کے اسلحے سے۔ کفار اور منافقین کے خلاف جہاد کے چار مراتب ہیں: دل سے، زبان سے، مال سے اور جان سے۔ کفار کے خلاف جہاد ہاتھ کے ساتھ مخصوص ہے اور منافقین کے خلاف جہاد زبان کے ساتھ۔ ظلم و جبر اور بدعات و منکرات کے خلاف جہاد کے تین مراتب ہیں: ایک ہاتھ سے جب قدرت ہو، اگر اس کی قدرت نہ ہو تو جہاد باللسان کی طرف آئے گا اور اگر اس سے بھی عاجز ہو تو پھر دل سے جہاد کرے گا۔ یہ جہاد کے تیرہ مراتب ہو گئے۔[46]

خلاصہ بحث

اگر ہم غور کریں اور مادی، معنوی، فکری، معاشی، معاشرتی اور سیاسی ہر پہلو سے اس پر نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہو گا ہمارے ہاں ترجیحات کا توازن مکمل طور پر تہ و بالا ہو چکا ہے۔ تقریباً اسلامی ممالک میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک عجیب طرح کی افراط و تفریط ہے۔ فن و تفریح کو تعلیم و تعلم پر ترجیح دی جاتی ہے۔ نوجوانوں کی سرگرمیوں میں جسمانی ورزشوں کو عقل و فکر اور روحانی تربیت پر مقدم کیا گیا ہے۔ معاشرے میں شہرت اور ستاروں کا مقام نامور علماء ادیبوں اور اہل دین و دانش کو نہیں بلکہ اداکاروں، گلوکاروں اور کھلاڑیوں کو حاصل ہے۔ اخبارات و رسائل، ٹی وی اور ریڈیو کے مذاکروں کا موضوع بحث یہی لوگ ہوتے ہیں۔ میڈیا پر ان کے کھیلوں اور کارناموں کی خبریں نشر ہوتی رہتی ہیں، خواہ وہ کتنی ہی غیر اہم کیوں نہ ہوں۔ اگر ایک فن کار فوت ہو جائے تو پوری دنیا میں تہلکہ مچ جاتا ہے اور اخبارات اس کے بارے میں تعریف و توصیف کے دریا بہا دیتے ہیں مگر کوئی عالم، ادیب، یا کوئی بڑا ماہر فن وفات پاتا ہے تو کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ معاشی پہلو سے دیکھا جائے تو کھیل کود اور فن کاری کو فروغ دینے کے لیے، اور حکمرانوں کی ذاتی حفاظت کے لیے تو بڑی بڑی رقمیں خرچ کی جاتی ہیں جسے ملکی امن وامان کا نام دیا جاتا ہے، اور کسی میں یہ پوچھنے کی جرات نہیں ہوتی کہ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے۔ دوسری طرف تعلیمی اور فلاحی ادارے، ہسپتال اور شفا خانے اور دعوت دین کی تحریکیں فنڈز کا رونا روتی رہتی ہیں۔ وہ جب اپنی ترقی کے لیے اور عصری ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کوئی مطالبہ کرتی ہیں تو ان سے معذرت کی جاتی ہے اور ہزار بہانے بنا کر ان سے جان چھڑائی جاتی ہے۔ آدمی حیران ہو جاتا ہے کہ اُدھر سخاوت کے دریا اور ادھر ایک گھونٹ کو بھی ترسنا! ترجیحات کے اصول و قوائد سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ہماری کامیابی کا دار و مدار ترجیحات میں توازن کی صورت میں ہی ہے

---

[46] Gulzada Sherpao, *Deen Mein Tarjihat*, p. 320.

اور زوال پستی سے نکلنے کا راز بھی اسی میں ہی پوشیدہ ہے۔ اگر مقاصد شریعت اور ترجیحات کو نظر انداز کیا گیا تو اس سے نہ صرف ہم مزید بگاڑ کا شکار ہوں گے بلکہ دین کی اصل ہیئت کو بھی آشکار نہیں کر پائیں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Bibliography / کتابیات

* Ibn Abī Ḥātim, Abū Muḥammad ʿAbd al-Raḥmān ibn Muḥammad. *Kitāb al-Jarḥ wa al-Taʿdīl*. Beirut: Dār al-Fikr, 2001.
* Al-Bukhārī, Abū ʿAbd Allāh Ismāʿīl ibn Ibrāhīm. *Al-Tārīkh al-Kabīr*. Edited by Muḥammad Azhar. Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, 2001.
* Al-Qasṭalānī, Abū al-ʿAbbās Aḥmad ibn Muḥammad ibn Abī Bakr. *Irshād al-Sārī*. Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, 2004.
* Ibn Ḥajar al-ʿAsqalānī, Aḥmad ibn ʿAlī. *Hudā al-Sārī li-Muqaddimat Fatḥ al-Bārī*. Cairo: Al-Risālah al-ʿĀlamiyyah.
* Ibn Ḥajar al-ʿAsqalānī, Aḥmad ibn ʿAlī. *Fatḥ al-Bārī*. Cairo: Al-Risālah al-ʿĀlamiyyah.
* Ibn al-Ṣalāḥ, Abū ʿAmr ʿUthmān ibn ʿAbd al-Raḥmān al-Lālishahrazūrī. *ʿUlūm al-Ḥadīth*. Cairo: Maktabah al-Islāmī, 1974.
* Al-Nawawī, Abū Zakariyyā Muḥyī al-Dīn ibn Sharaf. *Al-Minhāj fī Sharḥ Ṣaḥīḥ Muslim ibn al-Ḥajjāj*. Cairo: Maktabah al-ʿIlm, 2012.
* Al-Makkī, ʿAbd al-Ḥaqq ibn ʿAbd al-Wāḥid al-Hāshimī. *ʿĀdāt al-Imām al-Bukhārī fī Ṣaḥīḥihi*. Karachi: Dār al-Ishāʿat, 2015.
* Sazkīn, Fawād. *Tārīkh al-Turāth al-ʿArabī*. Riyadh: Maktabah al-ʿIlm, 2001.
* Salīm Allāh Khān. *Kashf al-Bārī fī Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*. Karachi: Maktabah Farūqiyyah, 2018.